مولانا عبدالقادر عارف حصاری مدظلہ العالی!

اقلیت اور اکثریت کا مقابلہ

اکثریت صداقت اور حقانیت کا معیار نہیں ہے

دنیا میں عوام کا اور دنیوی حکومتوں کا یہ دستور مشہور ہے بلکہ مذہبی لوگوں میں بھی یہ رائج ہے کہ ہر بات کا اکثریت پر فیصلہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جدھر اکثریت ہو وہ حق اور صواب ہے۔ اہل ہند کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ "جدھر اپنچ، ادھر پرمیشر" ــــ انگریزی حکومتوں نے بھی اکثریت کو معیارِ صداقت قرار دیا ہے۔ اسمبلیوں میں ارکانِ حکومت کا قرار داد دیں ہیں جب باہمی اختلاف ہو تو رائے شماری کر کے اکثریت پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اقلیت کی رائے خواہ کتنی ہی مستحسن ہو اور اہمیت رکھتی ہو، اس کو مسترد کر دیتے ہیں۔

اہل علم کی اصطلاح میں اس کو جمہوریت کہتے ہیں۔ پس عام پبلک کی رائے اور عمل سے جو حکومت قائم ہو اس کو جمہوری حکومت کہتے ہیں۔ الیکشنوں میں جو ملک کے باشندگان کے ووٹ لے کر رائے شماری کی جاتی ہے اس میں بھی اکثریت کے اصول سے امیدواروں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں اکثریت کا اصول نہیں پایا گیا۔ کتاب و سنت میں کہیں بھی اکثریت کو حق و صداقت کا معیار نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ اکثر لوگوں کو گمراہ قرار دیا گیا ہے۔ کتبِ شرعیہ اور خصوصاً قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس قدر انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں میں آئے ہیں، لوگوں کی اکثریت ان کا مقابلہ اور مخالفت کرتی رہی ہے۔ اہلِ ایمان ہمیشہ قلیل ہی چلے آئے ہیں۔ قرآنِ کریم اس پر ناطق ہے:

"الذین آمنوا وعملوا الصلحت وقلیل ما ھم"

کہ "اہلِ ایمان صالحین قلیل ہیں"

بنی اسرائیل کا جب کوئی بادشاہ نہ رہا اور مخالف حکومت ان پر غالب آگئی تو انہوں نے اپنے نبی سے یہ درخواست کی کہ آپ ہم میں سے کسی بادشاہ کا انتخاب کریں تو ہم اپنے مخالف بادشاہ سے قتال اور جہاد فی سبیل اللہ کریں تو ان کے نبی نے یہ کہا کہ اگر بادشاہ مقرر کر کے تم پر جنگ فرض کی گئی تو ایسا نہ ہو کہ تم جنگ

نہ کرو، جس کے جواب میں اسرائیلیوں نے کہا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ ہمارے دشمن نے ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں بے گھر کر دیا اور ہماری اولاد کو قیدی بنا کر لے گیا۔ اس پر ان کے نبی نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک عالم، طاقتور اور مدبر شخص طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ تب اس الٰہی انتخاب کی بنی اسرائیل کی اکثریت نے مخالفت کی کہ ہم حکومت کے زیادہ مستحق تھے کہ اپنا خاندانی اقتدار رکھتے اور مالدار و رئیس تھے جبکہ یہ طالوت مالی حیثیت اور خاندانی لحاظ سے بالکل معمولی شخص ہے۔ ان کے نبی (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اس انتخاب اور اس بادشاہ کی تقرری میں ہمارا تمہارا کوئی دخل نہیں ہے کہ یہ الٰہی انتخاب ہے، اس کو علمی اہلیت اور جسمانی طاقت کی بنا پر بادشاہ بنایا گیا ہے —— پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان پر قتال فرض کر دیا تو اکثریت نے اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور تھوڑے سے لوگ آمادہ ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"فلما کتب علیہم القتال تولوا الا قلیل منہم"

اسی ہزار کا لشکر طالوت کے ہمراہ تیار ہوا، ان کا بھی امتحان ہوا کہ جنگ کرنے کو چلے تو راستے میں ایک نہر آ رہی تھی۔ طالوت نے کہا کہ اس نہر سے ایک چلو بھر کر پی لینا، زیادہ نہ پینا "فمن شرب منہ فلیس منی ومن لم یطعمہ فانہ منی" کہ "جس شخص نے اس سے پانی ایک چلو سے زیادہ پی لیا وہ میری جماعت سے خارج ہوگا اور جس نے نہ پیا وہ میری جماعت میں داخل ہے"

"فشربوا منہ الا قلیل منہم" پھر تمام فوج نے اس نہر سے پانی پی لیا صرف تھوڑے سے لوگ جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی، چلو بھر پانی پی کر صبر سے آگے گذر گئے۔ ان کی پیاس بجھ گئی۔ باقی فوجی پانی پی کر بجائے تازہ دم ہونے کے نڈھال ہو گئے۔ ان کی پیاس نہ بجھی، استسقاء کے مریض ہو گئے۔ وہ جنگ نہ کر سکے اور کہہ دیا کہ ہم میں جالوت سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ تین سو تیرہ نے جالوت کے ایک لاکھ کے لشکر سے مقابلہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس قلت کے باوجود ان کو فتح سے ہمکنار فرمایا، جالوت قتل کر دیا گیا اور لشکر کفار منتشر ہوا۔ ارشاد الٰہی ہے جو فاتحین کے قول کی نقل ہے:

"کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ"

"یعنی ایسا بہت ہوا کہ تھوڑی سی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہے"۔

یہ پورا واقعہ قرآن مجید پارہ ۲ میں موجود ہے۔

اس واقعہ سے اقلیت کی فوقیت و حقانیت اکثریت کے مقابلہ میں ثابت ہوئی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنگ بدر پیش آیا تو آپ کے تین سو تیرہ صحابہؓ کا مقابلہ کفار کے ایک ہزار کے لشکر سے ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اقلیت کو اکثریت پر فتح دی کہ اقلیت حق پر اور اکثریت باطل پرست تھی

ہر زمانہ اور تاریخ شاہد ہے کہ اہل ایمان اور دیانتدار صالح لوگ قلیل ہوتے ہیں اور کفار، فجار، فاسق اور اہلِ باطل لوگ کثیر ہوتے ہیں ۔ ملکِ ہند کی تقسیم کے وقت ہندو انگریز کثیر تھے اور اہلِ اسلام ان کے مقابلہ میں قلیل تھے جو بفضلِ الٰہی کامیاب ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

" وقلیل من عبادی الشکور " کہ میرے بندوں میں سے شکر گزار لوگ قلیل ہیں "

اس کے برعکس اکثریت کے متعلق ارشاد ہے ؛

" واکثرھم لا یعقلون "

" اور اکثر لوگ بے عقل ہیں "

قرآنِ مجید میں ایک مقام پر یہ فرمانِ الٰہی ہے : کہ اگر ہم لوگوں پر یہ فرض کر دیں کہ تم اپنی جانوں کو قتل کرو اور گھروں سے نکل جاؤ تو " ما فعلوہ الا قلیل منھم " یہ لوگ کبھی اس حکم پر عمل نہ کریں مگر تھوڑے سے لوگ اس حکم کی تعمیل کریں گے " ——— " بل اکثرھم لا یؤمنون " " اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے "

شیطان نے ہمیشہ زندہ رہنے کی اللہ تعالیٰ سے مہلت لے کر پھر یہ اعلان کیا :

" لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا "

کہ " میں اولاد آدم کی اکثریت کو گمراہ کر کے ہلاک کروں گا مگر تھوڑے سے لوگ بچیں گے "

سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

" لقد اضل منکم جبلاً کثیراً افلم تکونوا تعقلون "

یعنی " شیطان بہکا لے گیا تم میں سے بہت سی خلقت کو پھر کیا تم میں عقل نہ تھی ؟

حضرت نوح ؑ کی قوم کے بارہ میں قرآنِ مجید میں یہ ارشاد ہے :

" وما آمن معہ الا قلیل "

کہ " حضرت نوح ؑ کے ساتھ تھوڑے سے لوگ ایمان لائے، اکثریت کافر ہوئی "

فرعون نے اپنی اکثریت کا گھمنڈ کر کے حضرت موسیٰ ؑ کی امت کے بارہ میں کہا :

" ان ھؤلاء لشرذمۃ قلیلون "

کہ یہ لوگ (تو) تھوڑے سے ہیں " (میرا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں !)

اصحاب کہف کی گنتی میں لوگوں نے بہت سی قیاس آرائیاں کیں ۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

" ما یعلمھم الا قلیل "

" ان کی گنتی کا علم تھوڑے سے لوگوں کو ہے "

نیز یہ ارشادِ الٰہی ہے:

"بل اکثرھم لا یعلمون الحق فھم معرضون"

یعنی اکثر لوگ حق نہیں جانتے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں "

پہلے پارہ میں بنی اسرائیل کی بابت یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا کہ اللہ کے بغیر کسی غیر اللہ کی عبادت نہ کرنا اور اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں اور یتیموں مسکینوں پر احسان کرتے رہنا اور نماز کی پابندی کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا تو اکثر لوگ اس عہد پر قائم نہ رہے، پھر گئے مگر تھوڑے سے اس عہد پر قائم رہے۔

علاوہ ازیں یہ ارشادِ الٰہی ہے:

"وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ"

کہ" اے نبیؐ، اگر آپ اکثر لوگوں کی اطاعت کرینگے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے ہٹا دینگے"

مفسرین نے اس آیت کے تحت یہ کہا ہے:

"وفی ھذہ دلالۃ انہ لا عبرۃ فی دین اللہ ومعرفۃ الحق بالقلۃ والکثرۃ بجواز ان یکون الحق مع الاقل"

یعنی" اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ دینِ الٰہی اور معرفتِ حق میں قلت اور کثرت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ حق بات اقلیت کے پاس ہو (یعنی اصل اعتبار دلائل شرعیہ کا ہے)"

ان تمام دلائل واثلہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اقلیت کے مقابلہ میں اکثریت حق اور صداقت کا معیار نہیں بن سکتی۔ کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ پاکستان میں معاذ اللہ کافر زیادہ ہیں اور مسلمان بہت کم بلکہ یہاں تو ماشاء اللہ مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اکثریت حق وصداقت کا معیار نہیں ہے اور یہ کہنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ حکومتوں میں جو اکثریت پر فیصلے کئے جاتے ہیں یہ طریق کار غلط ہے کیونکہ اکثریت حجت نہیں ہوتی بلکہ اصل معیار [illegible]۔ عدل وانصاف اور حق وصداقت کا کتاب و سنت ہیں۔ جو کام اور جو فیصلہ کتاب وسنت کے دلائل پر ہوگا اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر ہوگا، وہی حق اور وہی صحیح ہوگا اور جو اس کے خلاف ہوگا اسے خواہ اکثریت کی حمایت وتائید حاصل ہو، وہ سراسر غلط ہوگا۔ جبکہ مغربی طرزِ جمہوریت جس کا راگ آج زور وشور سے الاپا جا رہا ہے، اس میں حق وصداقت کا معیار اکثریت ہے اور صرف اکثریت۔ جہاں غلط بات کو بھی اگر اکثریت کی تائید حاصل ہو جائے تو وہ صحیح ہو جاتی ہے اور صحیح بات صرف اس لئے غلط ہو جاتی ہے کہ اس کی حمایت کرنے والوں کی تعداد قلیل ہوتی ہے۔

حالانکہ صحیح بات صحیح اور غلط بات غلط ہی رہتی ہے قطع نظر اس سے کہ ووٹ کس طرف زیادہ ہیں اور کس کی تائید وحمایت میں زیادہ ہاتھ اٹھے ہیں اور کس کی طرف کم!

مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ پشاور نے جو قومی اسمبلی کے ممبر رہے ہیں ایک کتاب بنام "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" تصنیف کی ہے۔ جس کے صفحہ ۷۶ پر وہ لکھتے ہیں:

"دراصل مغرب کی لادینی جمہوریت کو اسلام کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا۔ قانون اور آئین بنانے کا حق صرف مخلوق کے خالق کو ہے، فیصلہ کا دارومدار اہلیت وصلاحیت پر ہے، اکثریت یا اقلیت پر نہیں۔"

یہاں ہوتا یہ ہے کہ الیکشن لڑنے کو جو اسلام کے دعویدار امیدوار کھڑے ہوتے ہیں ان میں شرعی نقطۂ نگاہ سے اہلیت اور صلاحیت نہیں ہوتی۔ عوام کالانعام سے رسوخ پیدا کرکے ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ پھر رائے شماری میں اکثریت کے اصول پر کامیاب ہو کر اسمبلی کے ممبر بن جاتے ہیں۔ پھر جب ایوان میں اسمبلی کا اجلاس ہونے پر کسی اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے کوئی قرارداد پیش ہوتی ہے تو اکثر لوگ اس کی مخالفت میں رائے دیتے ہیں، یا نفاق اور ردوعلی پالیسی اختیار کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثریت کی تائید وحمایت حاصل نہ ہوسکنے کے باعث یہ قرارداد مسترد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحق کتاب مذکور کے صفحہ ۴۶ پر لکھتے ہیں:

"سودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد قومی اسمبلی میں پیش کی گئی تو ۲۲ ارکان کی رائیں قرارداد کے حق میں تھیں کہ یہ حرام ہے، اس کا انسداد ضروری ہے لیکن ۳۲ ووٹ اس قرارداد کے خلاف تھے جو سود کو جاری رکھنا چاہتے تھے چنانچہ یہ قرارداد مسترد کردی گئی"

دیکھئے محض ووٹوں کی اکثریت کی بنا پر خدا اور رسول کا حکم بغیر کسی ادنیٰ دلیل کے مسترد کر دیا گیا، کیا یہ صریحاً کفر نہیں ہے؟

صفحہ ۵۹ پر ذکر ہے کہ: فحاشی، رقص وسرود کے رواج کے انسداد کے لئے قرارداد قومی اسمبلی کے سیشن میں ۲۹ رنومبر ۱۹۷۴ء بروز جمعرات پیش کی گئی کہ ملک میں ثقافت کے نام پر فحاشی پھیلانے والی سرگرمیوں پر پابندی لگانی چاہیئے۔ مولانا نے اپنی تقریر میں کتاب وسنت سے دلائل پیش کرکے اس کی تردید اور مذمت کی۔ پھر اس کا انجام یہ لکھا ہے کہ:

"اسلام کے نام نہاد دعویداروں کی رائے شماری کرانے پر سرکاری ارکان کی کثرت رائے سے قرارداد مسترد کردی گئی جبکہ ان کے پاس کوئی ایک بھی شرعی دلیل نہ تھی۔"

(بقیہ بر صفحہ ۳۱)